شازیہ جمال طارق

سزا

دھوپ کی تمازت سے سرخ تمتماتا چہرہ لیے وہ کالج گیٹ سے باہر نکلی ہی تھی کہ زن سے ایک موٹر بائیک اس کے قریب آ رکی۔ ماتھے پہ گرے بالوں کو جھٹکتا زبیر اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا تھا۔

"آجاؤ، تمہیں گھر چھوڑ دوں۔"

وہ اسے نظر انداز کیے رکشے کی تلاش میں ادھر ادھر نگاہیں دوڑانے لگی۔

"میں نے کہا نا بیٹھ جاؤ فکر مت کرو۔ ماموں تمہیں کچھ نہیں کہیں گے، میں سنبھال لوں گا انہیں۔"

اس کا چہرہ پل بھر میں سرخ ہوا تھا۔

"تمہارے ساتھ بیٹھنے سے کہیں بہتر ہے، میں زہر پھانک کر مر جاؤں؟"

زہر خند لہجے میں کہتی وہ رکشہ کو ہاتھ سے روکتی اس پہ سوار ہوگئی۔ پیچھے زبیر کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔

☆☆☆

"زندگی برباد کردی ہے آپ نے میری۔"

ان کے سامنے تن کر کھڑی وہ چلائی تھی۔ انہوں نے بے بسی سے انگلیاں چٹخائیں۔

"میں بہت بے بس تھی..... بہت مجبور۔"

"ہونہہ! اس نے سر جھٹکا۔" ایک عورت مجبور ہو سکتی ہے۔ لیکن ایک ماں کیسے مجبور ہو سکتی ہے؟ آنکھوں میں گزرے سالوں کی کرچیاں لیے ان کے سامنے سراپا سوال بن کر کھڑی تھی۔ وہ چپ رہیں۔

"امی! آپ کی اس خاموشی سے نفرت ہے مجھے، کبھی معاف نہیں کروں گی آپ کو۔"

"کبھی معاف مت کرنا۔ لیکن خدا کے لیے وہ مت کرو۔ جو تم کرنے جا رہی ہو۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولیں۔ "خود کو اتنی بڑی سزا مت دو۔ وہ بالکل اپنے ماموں جیسا ہے۔ گھمنڈی، بدتمیز اور ناشکرا۔"

اسے باز رکھنے کے لیے آج ان کی زبان سے وہ الفاظ بھی نکل گئے۔ جنہیں دل میں دہرانے کے خیال سے بھی وہ کانپنے لگتی تھیں۔

"تمہارے پاس اس سے بہتر آپشن ہے نائل، بہت خوش رہو گی تم اس کے ساتھ....." نائل کے ذکر پر ان کی آنکھوں میں بجھتی امید کی لو پھر سے بھڑک اٹھی تھی۔

"خوش کون رہنا چاہتا ہے اب؟" وہ تلخی سے ہنسی تھی۔

☆☆☆

سفید کاٹن کے کلف لگے شلوار قمیص میں موٹر سائیکل پر سوار اجلال نے جیسے ہی اپنی گلی کا موڑ کاٹا۔ ادھ کھلے دروازے کے سامنے سے گزرتے ہوئے دانستہ رفتار آہستہ کی ایک ہاتھ سے بالوں کو سنوارا اور پھر زن سے موٹر سائیکل آگے بڑھا لے گیا۔

"مار ڈالا ظالم۔" ادھ کھلے دروازے سے چپکی نازو اس کے انداز پر دل تھام کر رہ گئی تھی۔ موٹر سائیکل ڈیوڑھی میں کھڑی کر کے، سیٹی پر شوخ سی دھن بجاتا وہ اندر آیا تھا۔

"ماں صدقے! آ گیا میرا شہزادہ۔" باہر تخت پہ بیٹھی زرتاج اسے دیکھ کر کھل اٹھی تھیں۔

"پانی پلا کنزیٰ۔" وہ ان ہی کے پاس تخت پر بیٹھ کر جوتے کے تسمے کھولنے لگا۔

کنزیٰ نے بھاگ کر پانی کا گلاس بھر کر بھائی کی طرف بڑھایا۔ اجلال نے گلاس تھاما اور اگلے لمحے پوری شدت سے فرش پر دے مارا۔

"اندھی! اتنا بڑا تنکا نظر نہیں آ رہا تھا پانی میں تیرتا ہوا؟" اسٹیل کا گلاس شور مچاتا دور تک لڑھکتا چلا گیا۔

www.zemtime.com

کنزئی فوراً دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔ اس کا چہرہ سرخ پڑ گیا کہ سامنے سے رخشندہ آپا کی نند مہناز چٹختی مٹکتی ہاتھ میں پلیٹ تھامے آئی۔ یقیناً اس نے سارا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ کنزئی کی آنکھوں سے چھپی نہیں رہی تھی۔

"السلام علیکم!" تکیے کے سہارے نیم دراز اجلال کو دیکھ کر زوردار سلام جھاڑا۔

"اے ہم بھی ادھر بیٹھے ہیں۔ تھوڑی سی سلامتی ہم پر بھی بھیج دو۔" زرتاج خاتون نے پاٹ دار آواز میں اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی۔

"ارے خالہ! آپ ہی کو تو سلام کیا۔" وہ کھلکھلائی۔

ناولٹ

www.zemtime.com

''یہ بریانی لے کر آئی ہوں۔ بھابھی نے بھجوائی ہے۔ بہت پسند ہے نا اجلال..... بھائی کو۔'' بادل نخواستہ اجلال کے ساتھ بھائی لگایا۔ ایک میٹھی سی نگاہ اجلال پر بھی ڈالی۔

جو بظاہر موبائل پر مصروف ایک آدھ نگاہ اس پر بھی ڈال لیتا اور مہناز کو لگا جیسے اس کی ساری تیاری وصول ہوگئی ہے۔ قدرے جھک کر پلیٹ زرتاج اور اجلال کے درمیان تخت پر رکھی۔

''حلق میں تو ہمارے بھی نہیں پھنستی یہ بریانی۔ خیر اپنی بھابھی سے کہنا ذرا ادھر کا چکر لگالے۔'' واضح اشارہ تھا، اب بی بی جاؤ یہاں سے۔''

''اور ہاں پلیٹ لینے مت آدھمکنا میں خود بھجوادوں گی۔''

مہناز سخت بدمزہ سی ہوتی ڈیوڑھی کی جانب بڑھی۔ البتہ جاتے جاتے ایک بار مڑ کر اجلال کی طرف دیکھا ضرور تھا۔ گھنی مونچھوں تلے اس کے لب مسکرا اٹھے۔ مہناز ٹھنڈی آہ بھرتی ڈیوڑھی پار کر گئی۔

☆☆☆

''اے رخشی! تیری عقل گھاس چرنے چلی گئی ہے کیا، جو تو نے اس آفت کی پرکالہ کے ہاتھ بریانی کی پلیٹ بھجوادی۔''

ماں کی بات پر اپنا شٹل کاک سفید ٹوپی والا برقع تار پر ٹانگتی رخشندہ کھلکھلائی۔

''ہیں تو وہ کم بخت مہناز میری بریانی کی پلیٹ یہاں دے گئی؟ میں نے چھپا کر کچن میں رکھ دی تھی کہ بعد میں تسلی سے کھاؤں گی۔ ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہلکان ہوگئی۔ پر پلیٹ مل کے ہی نہیں دی۔''

''اچھا وہ تو کہہ کر رہی تھی، بھابھی نے بھجوائی ہے۔'' کنزیٰ کو آپا کی حالت پہ ہنسی آگئی۔

اچھی طرح جانتی ہوں۔ میرے اجلال کی خاطر یہاں بہانے بہانے سے چکر لگائی ہے۔

دیکھ رخشی! سمجھا دے اپنی اس میک اپ کی دکان کو۔ جس دن مجھے غصہ چڑھانا میں نے تو گیت سے پکڑ کر کٹ لگا دینی ہے اس کی۔'' رخشندہ جانتی تھی یہ خالی خولی دھمکی نہیں ہے۔

''میری طرف سے ہڈیاں کڑکا دیں اس کی۔'' آپا نے دانت پیسے۔ ''جینا عذاب کر کے رکھ دیا ہے اس نے میرا۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں اجلال کے لیے اس کو لے لیں۔ دو دن میں اسے سیدھا کر کے رکھ دے گا تو میرے کلیجے میں بھی کچھ ٹھنڈ پڑے گی۔''

زرتاج نے بدک کر رخشندہ کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

''مجھے پاگل کتے نے نہیں کاٹا جو اس شتونگڑی کو اپنے شہزادے جیسے بیٹے کے لیے بیاہ کر لے آؤں۔'' رخشندہ منہ بنا کر رہ گئی۔

''لاکھوں میں ایک ہے میرا اجلال، اس کے لیے تو اس کے جوڑ کی لاؤں گی خوب چھان پھٹک کر۔''

''ویسے اماں ساجدہ چچی کی ماہ نور بھی بڑی پیاری ہے۔'' کنزیٰ کی بات پر انہوں نے کلے پیٹے۔

''توبہ توبہ۔ ایسی چھلاوا صفت لڑکی۔ سارا دن تو بندریوں کی طرح درختوں پر جھولتی رہتی ہے۔ ایسی پیاری صورت کا میں نے اچار ڈالنا ہے؟''

''اوہو اماں! تو آخر آپ کس قسم کی بہو لانا چاہتی ہیں؟''

''خوب صورت ہو، کم عمر، بھولی بھالی سی۔ جو میرے قابو میں رہے اور اجلال کا مزاج بھی برداشت کرے۔ جانتی تو ہو اجلال غصے کا کتنا تیز ہے۔ ذرا سی خلاف مزاج بات ہوجائے تو بھڑک اٹھتا ہے۔ وہ سیر ہے تو اس کے لیے کوئی سوا سیر تھوڑی لاؤں گی۔''

''اجلال بھائی کے غصے سے تو اللہ بچائے۔'' کنزیٰ کو مہناز کے سامنے ہونے والی اپنی بے عزتی پھر سے یاد آگئی تھی۔

''ہاں تو غصہ کرنا مرد کی شان ہے۔ میرے اجلال پر تو غصہ جچتا بھی بہت ہے۔ بھیڑوں کی طرح منمناتے مردوں کو ان کی بیویاں گھاس تک نہیں ڈالتیں۔'' زرتاج خاتون ایسے نیک خیالات کا اظہار وقتاً فوقتاً کرتی رہتی تھیں۔

''کس کا ذکر خیر ہو رہا ہے؟'' غسل خانے سے نکل کر تولیے سے گیلا سر رگڑتا اجلال ان ہی کی طرف

www.zemtime.com

چلا آیا تھا۔ گیلا تولیہ کنزیٰ کی طرف اچھالا اور خود موڑھا کھینچ کر بیٹھ گیا۔

''تمہاری شادی کی بات ہو رہی ہے۔'' رخشی آپا نے نظر بھر کر اپنے خوبرو بھائی کو دیکھا۔

''لیکن ایاں کی نظر میں کوئی بچ ہی نہیں رہی۔'' تولیہ تار پر پھیلاتی کنزیٰ نے لقمہ دیا۔ پھر باورچی خانے کی طرف چل پڑی۔ اجلال کے لیے تازہ ناشتہ بنانے۔

''ہاں تو اپنے شہزادے کے لیے کوئی چاند کا ٹکڑا ہی لاؤں گی۔'' زرتاج فخریہ سینہ ٹھونک کر بولیں۔

''پورا چاند ہی کیوں نہ لے آؤ اماں! داغ تو پھر بھی کہیں نہ کہیں ہوگا۔ ایسا کورا کاغذ لاؤ تو مانوں جس پر ابھرنے والی پہلی تحریر صرف میری ہی ہو۔'' وہ خود پسند تھا۔ اپنے سے کم تر پر راضی نہ ہونے والا۔

''ایسی ہی لاؤں گی۔''

''ویسے یہ تو زیادتی ہے اماں! شادی کرنی ہے ایک سے، باقی سب کا کیا ہوگا؟''

زرتاج نے ناک پر انگلی دھر لی۔ ''کیا ہوگا؟''

''دل ٹوٹ جائے گا بے چاریوں کا اور کیا؟'' وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

''مرن جوگیاں میرے بیٹے کے پیچھے بلا بن کر چمٹ گئی ہیں۔ جلد ہی اکبری سے کہہ کر رشتے کی بات چلاتی ہوں۔''

☆☆☆

''آپ اپنا بالکل خیال نہیں رکھتیں بوا! لگ گئی نا ٹھنڈ۔'' رافیہ نے ان کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر حرارت کا اندازہ کرنا چاہا۔

''بخار ہو رہا ہے آپ کو۔'' اس نے پریشانی سے ان کا ضعیف چہرہ دیکھا۔

''اب آرام سے لیٹی رہیں۔ میں آپ کے لیے کھانا لاتی ہوں۔ پھر دوا پلا کر سلا دوں گی۔''

''میں کوئی دو سال کی بچی ہوں؟'' بوا ہنس دیں۔

''ابھی خود کو بچی ہی سمجھیں۔'' کہتی وہ باہر باورچی خانے میں آ گئی۔ گرم کھچڑی پلیٹ میں نکالی۔ واپس کمرے میں آ کر انہیں تکیے کے سہارے بٹھایا اور خود اپنے ہاتھوں سے کھلانے لگی۔

دوا کھلا کر انہیں دوبارہ لٹاتے ہوئے کمبل اوڑھایا۔ گرمائش ملتے ہی بوا پہ غنودگی طاری ہونے لگی۔ تھوڑی دیر میں وہ غافل ہو گئیں۔ وہ اٹھ کر باہر آ گئی۔

اوائل اکتوبر کے دن تھے۔

دن کو موسم ٹھیک رہتا لیکن شام ہوتے ہی خنکی بڑھ جاتی۔ بوا اس کا سفید دوپٹہ لیے باہر صحن میں چارپائی پر بیٹھی کروشیے کی بیل کاڑھ رہی تھیں۔ رافیہ نے وہ دوپٹہ کل ساتھ والی مائرہ کے گھر میلاد پر پہن کر جانا تھا۔ بوا اسی وقت بیٹھ کر اسے مکمل کرنے لگیں۔ رافیہ نے کئی بار انہیں وہاں سے اٹھانا چاہا۔

''آپ کو ٹھنڈ لگ جائے گی بوا۔ اب بس کریں اٹھ کر اندر چلیں۔''

''اندر کمرے میں میری نظر کام نہیں کرتی۔''

''تو کس نے کہا ہے ابھی کے ابھی اسے پورا کریں؟ چھوڑ دیں نا ایسے۔'' رافیہ نے خود کو کوسا کیوں ان سے فرمائش کی تھی بیل کاڑھنے کی۔

''کل پہن کر نہیں جاؤ گی مائرہ کے گھر؟ ہاں۔'' بغیر اس کی طرف دیکھے وہ بولیں۔

''اب میرے سر پر کھڑے ہو کر ٹانکے گننے کی ضرورت نہیں ہے۔ جا کر کوئی اور کام دیکھ لو۔ یہ بس مکمل ہونے والا ہے۔''

رافیہ نے شام سے پہلے صحن کی ٹیوب لائٹ جلا دی۔ چھوٹا سا صحن دودھیا روشنی سے بھر گیا۔ ان کی ضد تھی یا رافیہ سے بے تحاشا محبت اس شام وہ بیل مکمل کر کے ہی اٹھی تھیں۔

رات کو ابا آئے تو صحن میں ٹہلتی رافیہ نے سب سے پہلے انہیں بوا کی خرابی طبیعت کا بتایا۔ انہوں نے قدرے جھک کر کمبل میں پرسکون سوئی سکینہ پر ایک نظر ڈالی اور سیدھے ہو گئے۔

''اللہ خیر کرے گا، سکون سے سو رہی ہے۔ تم بھی اب سو جاؤ۔ رات بہت ہو گئی ہے۔''

اس نے فوراً تابعداری سے سر ہلایا تھا۔

☆☆☆

www.zemtime.com

رات بھر وہ بے چین رہی تھی۔ بار بار اٹھ کر بوا کو دیکھتی۔ شاید دوا کا اثر تھا وہ ..... وہ بے خبر سو رہی تھیں۔ صبح کے قریب جا کر اس کی آنکھ لگی۔ اور نجانے کتنی دیر تک سوتی رہی۔ سورج کی کرنیں بند کھڑکی کی درزوں سے چھن چھن کر اندر آنے لگیں تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔ جلدی سے چپل پاؤں میں اڑسے اور باہر نکل آئی۔

کچن سے دھواں اٹھ رہا تھا۔

''اٹھ گئی رانی؟'' رانی نے آنکھیں پھاڑیں۔ بوا اور ابا پراٹھوں کے ساتھ دہی لیے مزے سے ناشتہ کر رہے تھے۔

''آپ کی طبیعت خراب تھی بوا؟''

''ٹھیک ہوں میں بالکل۔ یہاں بیٹھ اور آرام سے ناشتہ کر۔''

''دیکھ رہے ہیں ابا! آپ انہیں؟ یہ اسی طرح مجھے تنگ کرتی ہیں۔'' ناشتہ کرتے ابا زیرلب مسکراتے رہے۔

''جان نکال دی تھی انہوں نے کل میری اور اب کیا ضرورت تھی یہ سب کرنے کی؟ مجھے اٹھا دیا ہوتا۔'' وہ خفگی سے بولتی پیڑھی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

''کچھ نہیں ہوا تھا مجھے، خوامخواہ کے وہم مت پالا کر۔'' اس کے سامنے چنگیر میں تازہ پراٹھا رکھتے وہ محبت سے گویا ہوئیں۔

''وہم نہ کیا کروں؟ آپ دونوں کے سوا میرا اور ہے ہی کون؟''

''تمہارے پاس تو ہم دو ہیں۔ ہمارے پاس تو صرف ایک تم ہی ہو۔'' ابا ناشتہ ختم کرتے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے باہر نکل گئے۔ وہ نم آنکھیں جھپکاتی ناشتہ کرنے لگی۔

''اور بنا دوں؟''

بوا نے پوچھا تو وہ چونکی۔ وہ پراٹھا ختم کر چکی تھی۔

''جی نہیں، اب آپ اٹھیں یہاں سے، باقی کام میں کرلوں گی۔''

بوا کو اٹھا کر اس نے کچن سمیٹا، برتن دھوئے، چھوٹا سا گھر صاف کر کے چمکا دیا۔ بوا باہر نیم کی چھاؤں تلے چارپائی پر نیم دراز تسبیح کے دانے گراتی بار بار اسے تیار ہونے کا کہتی رہیں۔ اس نے نہا کر سرخ و سفید کنٹراس کا کڑھائی والا سوٹ پہنا جس کے سفید دوپٹے کے کناروں پر بوا نے سرخ بیل کاڑھ دی تھی۔

سنگھار میز کے سامنے بیٹھ کر لمبے سیاہ بالوں کو سلجھا کر پشت پر پھیلایا۔ کاجل سے آنکھوں میں لکیریں کھینچیں۔ دوپٹہ سلیقے سے اوڑھے وہ جانے کے لیے تیار کھڑی تھی۔ بوا نے دوپٹے کے ہالے میں چمکتا اس کا صبیح چہرہ دیکھا اور دل ہی دل میں ماشاءاللہ کہا۔

☆☆☆

سکینہ جوانی میں ہی بیوگی کی چادر اوڑھ کر بھائی کے گھر آ گئی تھی۔ جو پہلے ہی ایک سال کی رافیہ کی ماں کے اچانک دنیا چھوڑ جانے پر غم سے نڈھال تھا۔ جوان بہن کی بیوگی نے جیسے مزید اندر سے توڑ دیا۔

بن ماں کی بلکتی رافیہ کو اپنے سینے کے ساتھ لگا کر سکینہ اپنا غم بھول گئی۔ وہ دن اور آج کا دن وہ بھائی اور بھتیجی کے لیے چھپر چھاؤں بن گئی۔ سہیل کو اپنی بیوی سے بہت محبت تھی۔ اس کی دائمی جدائی ان کے دل پر ایسا زخم لگا گئی جو کبھی نہیں بھر سکا۔ وہ وقت سے پہلے بوڑھے ہوتے گئے۔ دکانوں سے آنے والے کرائے سے گھر کی اچھی گزر بسر ہو رہی تھی۔ رافیہ نے آنکھ کھولتے ہی یہ دو رشتے اپنے پاس دیکھے تھے۔ یہ چھوٹا سا گھر، جان چھڑکنے والی مہربان سی بوا اور اس کے بے حد اچھے ابا۔

جو ہر وقت نجانے کیوں اتنا کھانستے رہتے تھے۔ ماں خود چلی گئی تھیں لیکن ابا کو بیمار کر گئیں جب شعور کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اسے ابا کی بیماری کی نوعیت کا پتا چلا تو وہ خوب روئی۔

''ابا کو کچھ ہوگا تو نہیں نا بوا؟'' سکینہ نے رو رو کر بے حال ہوتی رافیہ کو اپنی کمزور بانہوں میں بھر لیا تھا۔

اس دن خوب بارش ہوئی۔ ابا بھی جلدی گھر آ گئے اور آتے ہی بوا کو بھی اپنی پاس بٹھا لیا وہ دیر تک چھوٹے سے کچے صحن میں بارش سے بنتے بلبلے پھٹتے پھر بنتے دیکھتی رہی۔ بارش رک رہی تھی جب وہ اندر کمرے میں آئی۔ اس کے قدم دہلیز پر جیسے جم سے گئے۔ بے یقینی سے ابا اور بوا کا چہرہ دیکھا۔

www.zemtime.com

''کیا اسے اس کی اس چھوٹی سی جنت سے نکالا جارہا تھا؟''

''شادی؟'' وہ ٹکر ٹکر ان کی شکلیں دیکھے گئی۔

''میں آپ دونوں کو چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤں گی۔'' اس کا سکتہ ٹوٹا گیا تھا۔

''جانا تو ہم نے ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہے، جانے سے پہلے تمہیں کسی مضبوط ہاتھ میں سونپ جائیں تاکہ آگے سکون سے سو سکیں؟''

''ابا!'' اس کی آنکھیں آنسوؤں سے لبالب بھر گئی تھیں۔

''تھک گیا ہوں کھانس کھانس کر۔ اب تو جیسے پسلیاں بھی ٹوٹنے لگی ہیں۔'' وہ اس بے چارگی سے بولے کہ وہ تڑپ ہی تو اٹھی تھی۔

''شادی تو ایک نہ ایک دن ہونی ہے۔ تو کیا اپنی رانی کو دلہن بنا دیکھنے کی حسرت لیے ہی اس دنیا سے چلے جائیں؟'' اس نے ابو کے ہاتھ تھام کر چوم لیے۔

''آپ دونوں کی خواہش میرے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے۔ لیکن میں آپ لوگوں کو چھوڑ کر کیسے جاسکتی ہوں؟''

''اسی شہر میں رہو گی تم۔ یہاں سے چند گلیاں دور۔ جب دل چاہے چلی آنا۔''

''اگر نہیں آسکو گی تو ہم آجائیں گے۔ کیوں سکینہ؟''

ابو نے فوراً ان کی ہاں میں ہاں ملائی تھی اور اسے رشتے کے بارے میں بتانے لگیں۔ وہ سر جھکائے خاموشی سے سنتی رہی۔

''لڑکا زیادہ پڑھا لکھا نہیں ہے۔ یہی کوئی شاید میٹرک پاس.....''

''میٹرک پاس؟'' اس نے جھکا سر ایک جھٹکے سے اوپر اٹھایا تھا۔

''شعور ڈگریوں کا محتاج نہیں ہوتا بیٹا! بہت پڑھے لکھے لوگ بھی اکثر جاہل ہی رہتے ہیں۔''

ابا نے ٹھیک کہا تھا بہت پڑھے لکھے بھی اکثر جاہل ہی رہتے ہیں۔ لیکن کم پڑھے لکھے جاہل بھی ہوں تو انہیں جنگلی بنتے زیادہ دیر نہیں لگتی۔ ابا یہ بتانا تو بھول گئے تھے۔

☆☆☆

عرش پہ طے پانے والے فیصلوں کو زمین پر پورا ہونے پر کون روک سکتا ہے؟ اسے رافیہ سہیل سے رافیہ اجلال بننے میں دیر نہیں لگی تھی۔ سنہرے تلے اور ستاروں والے میرون جوڑے میں اس کا نوخیز حسن کلی بن کر چٹکا تھا۔

''دلہن تو بہت کم عمر ہے۔ لگتا ہے صرف ایک دو بار ہی ''سر دھویا'' ہے۔''

رخصتی کے بعد زرتاج اپنی رشتہ دار خواتین کے تبصرے پر فوراً بولی تھیں۔

''تو میرا اجلال کون سا ساٹھ کے پیٹے میں لگا ہے؟''

''ہاں یہ تو ہے، ویسے دلہن ہے بہت من موہنی..... پیاری سی۔''

''اپنے اجلال کے لیے جتنی بھی خوب صورت لڑکی ڈھونڈ کر لے آتی کم تھا۔''

اس بار سب چپ ہی رہیں۔ اجلال کی وجاہت پر انہیں کوئی شک نہیں تھا لیکن زرتاج سے بحث کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں تھی۔ وہ ان ماؤں میں سے تھیں جو بیٹوں کو انسانیت کے درجے سے اٹھا کر ماورائی مخلوق بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتیں۔

ادھر مردانے میں اجلال سفید شلوار قمیص پر اجرک کندھوں پہ پھیلائے راجہ اندر بنا بیٹھا تھا۔

''اندر زنانے میں بڑا شور مچا ہے تیری وہٹی کی خوب صورتی کا۔'' شوکت کی بات پر وہ تفاخرانہ سا مسکرایا۔

''لگتا ہے، خالہ تیرے لیے کوہ نور ڈھونڈ کے لے آئی ہیں۔'' اس کے جگری یار فاروق نے اس کے کندھے پر تھپکی دی۔

''باقی تو خیر ہے، بس سننے میں آیا ہے کہ خوب صورت بیویوں کا نخرا بھی بہت ہوتا ہے۔ ایسا نہ ہو ہمارا شیر پہلی ہی نظر میں چاروں شانے چت ہو جائے۔'' ایک زور کا قہقہہ پڑا تھا۔

''ایسا کبھی ہو نہیں سکتا۔ حسن یا نخرا اجلال کے لیے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ وہ سب کو جوتی کی نوک پر

www.zemtime.com

رکھنا جانتا ہے۔"

اسے پتا چلا تھا، رخشی آپا کی نند مہناز نے اس کی شادی کی خبر سن کر خودکشی کی کوشش کی تھی۔ اور وہ نکڑ والی نازو جو اس کی ایک جھلک دیکھنے کے لیے پہروں دروازے کے ساتھ چپکی کھڑی رہتی۔ ڈھولکی کی آواز سن کر باقاعدہ بین ڈالتی رہی۔

اور بھی نجانے کتنی تھیں جن کو اس کی ایک جان مار مسکراہٹ نے گھائل کیا تھا۔

رات گئے تفاخر سے چلتا وہ اپنے کمرے میں آیا تھا۔ بیڈ کے وسط میں گھونگھٹ گرائے وہ سراپا انتظار تھی۔ اجلال کہنی کے بل اس کے قریب نیم دراز ہوا۔

"گھونگھٹ اٹھاؤ۔" تحکمانہ لہجہ۔

"سنا نہیں؟ میں نے کہا، گھونگھٹ اٹھاؤ۔" رافیہ نے آہستگی سے گھونگھٹ الٹ دیا۔ جھکی پلکیں عارض پر لرزاں تھیں۔

"پلکیں اٹھا کر دیکھو اور اپنی قسمت پر ناز کرو کہ کیسا خوبرو مرد اللہ نے تمہاری قسمت میں لکھ دیا ہے۔ آج تمہیں اپنی دعاؤں کی قبولیت پر یقین آجائے گا۔ ہر عام لڑکی کی طرح تم نے بھی تو کسی شہزادے کے ساتھ کی دعائیں مانگی ہوں گی۔"

اتنا گھمنڈ۔ رافیہ نے پلکیں اٹھائیں اور بہت ہموار لہجے میں بولی۔

"میں نے کبھی کسی شہزادے کے ساتھ کی دعائیں نہیں مانگی تھیں۔ اتنا ضرور چاہا تھا کہ میری زندگی میں جو شخص شامل ہو۔ وہ باکردار، باوفا اور احساس کرنے والا ایک عام سا مرد ہو۔"

زناٹے دار تھپڑ چٹاخ سے اس کے گال پر پڑا تھا۔ وہ اس کے لیے تیار نہیں تھی۔ الٹ کر پیچھے کو جا گری۔ اجلال نے کہنی سے دبوچ کر اسے سیدھا کیا۔

"مجھے زبان دراز عورتیں سخت ناپسند ہیں۔" اس کے اوپر جھکا جیسے وہ غرایا تھا۔

"اور مجھے ایک بات بار بار دہرانے کی بھی عادت نہیں ہے۔" خوف اور دہشت سے تھر تھر کانپتی رافیہ کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی۔

☆☆☆

وہ صرف ایک تھپڑ نہیں تھا۔ بلکہ اس نے آنے والے دنوں میں اجلال کی زندگی میں رافیہ کی حیثیت متعین کر دی تھی۔ اس نے پہلے دن سے ہی رافیہ پر اپنی ایسی دہشت طاری کر دی جس کے حصار سے وہ کبھی باہر نکل ہی نہیں سکی۔

"اللہ بخشے پٹواری صاحب جب تک زندہ تھے مجھے کبھی کسی چیز کی کمی نہیں ہونے دی۔ جب بھی گھر آتے، پھلوں کا تھیلا میرے ہاتھ میں دینے کے بعد ہی کوئی دوسرا کام کرتے۔ حق ہا اب یہ بیوگی....."

زرتاج کو نجانے کیوں لگا تھا، کم سن خوب صورت بیوی کو پا کر ان کا اجلال "بدل" جائے گا۔ ان کا پیٹ خراب تھا تو رافیہ کو سالن میں نمک مرچ ہلکا رکھنے کو کہا۔ اس نے فوراً حکم کی تعمیل کی تھی۔ لیکن جب وہی سالن شام کو اجلال کے سامنے رکھا گیا تو اس نے پوری دیگچی الٹ دی۔

"یہ مریضوں والا پھیکا میٹھا کھانا کھانے کے قابل ہے؟" دیوار کے ساتھ لگی رافیہ پر وہ دھاڑا تھا۔ زرتاج بیگم خاموشی سے دانتوں میں تیلی ڈال کر خلال کرتی رہیں۔ راضیہ نے وہی دیگچی اٹھا کر دھوئی پھر سے اجلال کے لیے تیز نمک مرچ کا سالن بنایا۔

اجلال کا موڈ پل پل بدلتا رہتا۔ رافیہ کو اس کا اچھا، خوش گوار موڈ بھی اندر تک خائف کر دیتا۔ وہ سمجھ ہی نہ پاتی اسے کیا بولنا چاہیے۔

"سنو! تمہیں سب سے زیادہ کیا چیز پسند ہے؟" رات کو اس کا موڈ اکثر اچھا ہی ہوتا۔ وہ خاموش رہی۔

"بتاؤ نا؟"

"کچھ خاص نہیں۔"

"پھر بھی کچھ تو ایسا ہوگا جو تمہیں بہت عزیز ہو۔ ہر چیز سے بڑھ کر۔" وہ اسے اکسا رہا تھا۔

"میرے بال۔" رافیہ کے منہ سے پھسلا۔

"مجھے اپنے بال بہت عزیز ہیں۔" شاید وہ ہلکا سا مسکائی بھی تھی۔ ان بالوں کی حفاظت کے لیے بوا نے

www.zemtime.com

کئی ٹوٹکے آزمائے تھے۔

وہ اکثر اپنے ہاتھوں سے اس کے بال سلجھا کر چوٹی گوندھ دیتیں۔ لمبے، سیاہ، سیدھے بال اس کے کولہوں سے بھی نیچے آتے تھے۔ جب وہ انہیں کھول کر کنگھی کرنے لگتی تو جیسے آبشار گر پڑی ہو۔ اگلا لمحہ قیامت تھا۔ خود پسندی کی انتہا تھی جس نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔

''لیکن مجھے لمبے بال پسند نہیں ہیں۔ اور یہ تو بالکل بھی پسند نہیں ہے کہ تمہارے نزدیک مجھ سے بڑھ کر کچھ اور اہم ہو۔''

قینچی سے اس کے لمبے بالوں کو بے دردی سے کترتا وہ کہہ رہا تھا۔ رافیہ سانس تک نہ لے سکی۔

اگلی صبح کندھوں تک تھوڑا نیچے بے ترتیب کٹے بالوں کو دیکھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔ گو کہ سرخ آنکھیں ساری کہانی بیان کر رہی تھیں پھر بھی اس کی ہم عمر کنزیٰ منہ پر ہاتھ رکھے خوب ہنسی۔

''یہ راتوں رات فیشن کا ہوکا کیسے اٹھا بھا بھی؟''

کنزیٰ کی دوست کم پڑوسن ثمینہ کو اس سے بہت ہمدردی محسوس ہوتی۔ لیکن کنزیٰ بہت خوش تھی کہ شادی سے پہلے اجلال بھائی کا ایک ایک کام بھاگ کر کرنے کے باوجود اکثر ان کی ڈانٹ پھٹکار سننی پڑ جاتی۔ اب اکثر ان کے عتاب کا نشانہ رافیہ ہی بنتی۔ کنزیٰ جتنا شکر ادا کرتی کم تھا۔

☆☆☆

لیکن اس دن عجیب بات ہوئی۔

رافیہ دھلے کپڑوں کی ٹوکری اٹھائے تار پر پھیلانے کی غرض سے چھت پر چڑھی تو سامنے ایک لڑکا کنزیٰ کے ساتھ یا شاید کنزیٰ اس لڑکے ساتھ..... وہ کچھ سمجھ نہیں پائی۔ لیکن کنزیٰ کا دماغ خوب چلا تھا۔ لڑکا آناً فاناً چھت پھلانگ کر دوسری طرف نکل گیا۔ کنزیٰ شور مچاتی نیچے اتری۔

''بھائی کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی تھیں۔ میں نے خود دیکھا ہے انہیں چھت پر کسی لڑکے کے ساتھ ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھیں۔''

''ہائے میرے غیرت مند اجلال کی عزت دو کوڑی کی کر کے رکھ دی۔'' زرتاج نے صحن کے بیچ و بیچ اپنا سینہ پیٹا۔ اور غیرت مند اجلال نے آؤ دیکھا نہ تاؤ مار مار کر اسے نیل و نیل کر دیا۔

وہ اس وقت تین ماہ کی امید سے تھی۔ ایک آدھ لات شاید پیٹ پر بھی پڑی تھی۔ راضیہ درد سے دوہری ہوئی چیختی رہی۔ دیوار پار ثمینہ نے جھانکا اور بھاگ کر ماں کو آوازیں دیں۔ اسی نے آ کر ادھ موئی رافیہ کی جان بخشی کروائی اور اسے رکشے میں ڈال کر لیڈی ڈاکٹر کے ہاں لے گئی۔ تین ماہ کا حمل ضائع ہو گیا تھا۔

رافیہ کے اندر اب رونے کی بھی سکت باقی نہیں رہی تھی۔ اس نے ہر دکھ پر صبر کر لیا تھا۔ لیکن ایک غم ایسا تھا جو اسے اندر ہی اندر گھن کی طرح چاٹنے لگا۔ وہ اپنے پیارے ابا اور جان سے پیاری بوا کو ایک نظر دیکھنے کے لیے ترس گئی۔

قصور صرف اتنا تھا کہ اجلال کو ایک دن اپنا مطلوبہ سوٹ استری کیا نہ ملا اور رافیہ اس وقت میکے گئی ہوئی تھی۔ واپسی پر اجلال اس پر الٹ ہی تو پڑا۔ میکے جانے پر پابندی لگا دی۔ رافیہ نے مہینوں اس کا غصہ ٹھنڈا ہونے کا انتظار کیا تھا۔ بھاگ بھاگ کر ہر کام وقت سے پہلے کر دیتی۔

''خالہ جی! مجھے بوا کی طرف جانا ہے۔ ابا کی طبیعت بہت خراب تھی۔''

''نہ بھئی، اپنے میاں سے اجازت لو۔'' مہندی لگے بالوں کو کنگھا کرتے انہوں نے صاف ہری جھنڈی دکھائی۔

''آپ اجازت دلوا دیں۔ وہ آپ کی بات نہیں ٹالیں گے۔'' وہ پاؤں پکڑنے والی ہو گئی۔

''بہت الٹی کھوپڑی کا ہے اجلال۔ مجھے تو معاف ہی رکھو۔'' وہ دل گرفتہ سی واپس مڑی لیکن اسی شام ابا خود آ گئے۔ کاش کہ نہ آتے۔ انہوں نے خود دیکھا تھا، اجلال نے جوتا صاف نہ کرنے کی پاداش میں وہی جوتا کھینچ کر اس کے منہ پر دے مارا تھا۔

کھانس کھانس کر بے حال ہوتے اس کے کمزور لیکن بے حد شفیق ابا۔ وہ بھاگ کر ان کے ضعیف سینے

سے جاگی تھی۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ لیکن آنسو کہاں نکلے تھے اس کی آنکھوں سے۔ لہو ٹپکا تھا۔ یہ ان کی رافیہ تو نہیں تھی۔ کمزور، پژمردہ، نڈھال سی۔

''یہ ہماری آنکھوں کی بینائی، ہمارے جگر کا ٹکڑا ہے۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک مت کرو کہ ہم قبر میں بھی سکون سے نہ سو سکیں۔''

''آخر قصور کیا ہے میری بیٹی کا؟ کیا جرم کیا ہے اس نے جو تم نے.....'' ان کا ضعیف وجود جھٹکوں کی زد میں آ گیا تھا۔

''او بزرگو! یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے۔ ہم میاں بیوی کے بیچ آپ کو بولنے کی کوئی ضرورت نہیں۔'' اکھڑ لہجہ، گستاخ آنکھیں.....

''بیٹی ہے یہ میری۔''

''اور اب میری بیوی ہے۔ بیوی پر سب سے پہلا اور آخری حق اس کے شوہر کا ہی ہوتا ہے۔''

وہ ابا کو اس دکھ سے بچانا چاہتی تھی۔ لیکن بچا نہیں پائی۔ اور ابا چلے گئے تھے نہ صرف اس کے گھر سے بلکہ اس دنیا سے ہی۔

وہ بوا کی گود میں بلک بلک کر روئی تھی۔

''ہمیں لگا وہ کم پڑھا لکھا ہے۔ نہیں جانتے تھے وہ تو بالکل جاہل ہے۔''

وہ جانتی تھی نہ تو اسے ابا کے مرنے پر دل کھول کر سوگ منانے دیا جائے گا نہ ہی بوا کے سینے سے لگ کر ڈھیر سارے آنسو بہانے دیے جائیں گے۔ بوا کا خیال رکھنے کے لیے دیوار پار مائرہ کی ماں کے اس نے پاؤں پکڑ لیے تھے۔

''اپنی بوا کو خدا کے بعد آپ کے حوالے کر کے جا رہی ہوں ماسی۔''

اور وہ لوٹ آئی تھی کبھی نہ واپس جانے کے لیے۔ بوا کی آنکھوں کی بینائی جاتی رہی۔ انہیں اپنی رانی کے سوا اب دنیا میں کچھ اور دیکھنے کی چاہ ہی نہیں رہی تھی۔ اور پھر ایک دن وہ بھی ابا کے پاس چلی گئیں۔

☆☆☆

رافیہ کی آنکھیں خشک ہو گئی تھیں۔ دنیا کا ہر غم اس کے لیے چھوٹا پڑ گیا۔ وہ تین بار امید سے ہوئی تینوں بار ہی مردہ بیٹیوں کو جنم دیا۔ چوتھی بار بھی بیٹی ہی ہوئی۔ زندہ سلامت، صحت مند۔

وہ منتظر ہی رہی کہ شاید اجلال یا زرتاج بچی کا نام رکھیں لیکن دن پر دن گزرتے رہے کہ ایک دن اس نے جھولے میں بے خبر لیٹی ننھی پری کو اٹھایا۔ اس کی آنکھیں چوم کر کہا۔

''میری بخت بانو۔''

اجلال اب بھی ویسا ہی تھا۔ ذرا سی کوتاہی پر اسے دھنک کر رکھ دینے والا۔ معمولی معمولی باتوں پر طلاق کی دھمکی دینے والا کہ اب تو اس کا ''میکہ'' بھی نہیں رہا تھا۔

''زرتاج خاتون کی وہی سوچ ''غصہ مرد کی شان ہوتا ہے وہ مرد ہی کیا جس کی دھاڑ پر بیوی کا حلق نہ سوکھے۔''

چھت پر چوری چھپے ملاقاتیں کرنے والا کنزیٰ کا عاشق وقت آنے پر پتلی گلی سے نکل گیا تھا۔ زرتاج کو جو پہلا رشتہ مناسب لگا، کنزیٰ کے ہاتھ پیلے کر کے اسے گھر سے رخصت کر دیا۔

کنزیٰ نے رخصت ہوتے وقت نجانے کیوں اس سے نگاہ چرائی تھی؟ رافیہ کے وہی شب و روز تھے۔ ایک بخت بانو ہی تھی اس کی حبس زدہ زندگی میں در آنے والا ہوا کا خوش گوار جھونکا۔

وہ اسے باپ، دادی کے عتاب سے بچانے کے لیے کونوں کھدروں میں چھپائے رکھتی۔ ایک ٹانگ والی گڑیا کے ساتھ کھیلتے کھیلتے نجانے وہ کب اتنی بڑی ہو گئی کہ اس نے گڑیا کی دوسری ٹانگ بھی توڑ دی۔ پھر بازو اور آخر میں گردن توڑ کر دور کوڑے میں اچھال دی۔ اتنی تلخ، اکھڑ اور تند خو بخت بانو۔

اس نے شباہت اپنی ماں کی چرائی تھی۔ لیکن اس کا مزاج بتاتا تھا وہ اجلال حیدر کی بیٹی ہے۔

☆☆☆

دن بھر کے تھکے ماندے وجود کو سمیٹتی جب وہ حسب معمول رات کو زرتاج کی ٹانگیں دبانے کے

www.zemtime.com

لیے ان کے کمرے میں آئی تو ان کے منہ سے ہمیشہ کی طرح ''فرصت مل گئی مہارانی کو'' نہیں نکلا۔ وہ آنکھیں کھولے چت لیٹی تھیں۔

رافیہ حیرت اور بے یقینی سے منجمد ہو کر رہ گئی۔ بلا تکان، بہت بولنے والی زرتاج اتنی خاموشی سے دنیا چھوڑ کر چلی گئیں؟

''تو اے خاکی! بس یہی ہے تیری حقیقت۔''

ان کی میت کے سرہانے ان کی ساکت آنکھوں میں دیکھتی وہ آنسو بہائے گئی۔

''آپ ان کے مرنے پر رو رہی ہیں؟'' بخت بانو کو اپنی ماں پر حیرت ہوئی، نجانے کس مٹی سے بنی ہیں یہ۔ رافیہ بیٹی کو سمجھا نہیں سکتی تھیں یہ صرف ان کے جانے کے غم میں بہائے جانے والے آنسو نہیں ہیں۔ ان ٹپکتے ہوئے قطروں کے ساتھ ان کا بہت کچھ وابستہ تھا۔

☆☆☆

بخت نے زبیر کے رشتے کے لیے ہاں کہہ دی تھی۔ رخشی پھپھو کا اکلوتا لخت جگر، تین بہنوں کا لاڈلا زبیر آفاق۔

آج وہ آخری بار کالج آئی تھی۔ نائل اس کا راستہ روکے کھڑا تھا۔ ''تم ایسا نہیں کر سکتیں؟''

''میں ایسا کر چکی ہوں۔'' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے وہ بولی۔

''رافیہ آنٹی نے کہا اجلال انکل نے فیصلہ تم پر چھوڑا ہے۔ تم کیسے اسے مجھ پر ترجیح دے سکتی ہو بخت؟''

وہ اسے بتا نہیں سکتی تھی کہ انہوں نے اس کے سامنے چوائس نہیں رکھی تھی بلکہ اس کی ماں کی تربیت کو پرکھا تھا۔ اگر وہ زبیر کے بجائے نائل کا انتخاب کرتی تو اس کی ماں کی تربیت پر حرف آجاتا۔ وہ ساری زندگی کے لیے معتوب ٹھہرائی جاتیں۔ وہ یہ اسے گوارا نہیں تھا۔

''میں محبت کرتا ہوں تم سے.....'' نائل جتنا بپھرا ہوا تھا، وہ اتنی ہی پرسکون تھی۔

''مجھے محبت کی چاہ نہیں ہے۔''

''وہ اچھا انسان نہیں ہے۔'' نائل اسے جھنجھوڑ دینا چاہتا تھا۔ جیسے وہ گہری نیند میں ہو۔ لیکن وہ پورے ہوش و حواس میں بولی۔

''مجھے اچھے انسان کی طلب بھی نہیں ہے۔''

''ایسا مت کرو پلیز.....'' وہ منت پر اتر آیا تھا۔ محبت شاید یونہی انسان کو مجبور کر دیتی ہے۔

''میرے راستے سے ہٹ جاؤ نائل..... پلیز!''

اس نے نگاہ نہیں بدلی تھی، نگاہ چرائی تھی۔ یہ محبت کی رمزیں تھیں۔ صرف محبت کرنے والا ہی سمجھ سکتا تھا۔ نائل اس کے راستے سے ہٹ گیا تھا۔

☆☆☆

''تو تم نے کہا تھا، تمہارے ساتھ بیٹھنے سے کہیں بہتر ہے میں زہر پھانک کر مر نہ جاؤں، ہاں؟'' اس کی ٹھوڑی کو انگلی سے اونچا کیے وہ اسے یاد دلا رہا تھا۔

''زہر تو میں نے پھانک لیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اثر کب کرتا ہے؟'' اس کے جواب پر وہ دل کھول کر ہنسا تھا۔

''اجلال ماموں کی طرح ٹیڑھی کھیر ہو تم۔ ایسے ہی تو میرا دل نہیں آ گیا تھا تم پر۔''

آج وہ پورپور سجی اس کے حجلہ عروسی میں بیٹھی تھی۔ اور وہ پورے حق کے ساتھ اس پر اپنا حق جتا رہا تھا۔

''شکر ہے۔ تمہیں یاد رہا، میں بھی اسی خاندان سے ہوں جس کا تم حصہ ہو۔ تمہاری نانی مرحومہ میری دادی ہوا کرتی تھیں۔''

وہ عام لڑکی نہیں تھی نہ ہی اس نے عام حالات دیکھے تھے۔ زبیر کی زبردستی کی قربت اسے اذیت میں مبتلا کر رہی تھی۔

''دل تو ٹوٹا ہوگا، کسی اور کے سپنے بنتے بنتے کسی اور کی سیج سجا بیٹھیں۔''

وہ اس کی اذیت کو بڑھا رہا تھا۔ بخت نے جھٹکے سے اس کا ہاتھ پرے جھٹکا اور اپنا کام دار لہنگا بمشکل سنبھالتی اٹھنے لگی۔ زبیر نے اسی سرعت سے اسے کلائی سے پکڑ کر بیڈ پر گرا دیا۔

''مجھ سے کسی نرمی کی امید مت رکھنا تم۔'' اس

www.zemtime.com

کے اٹھنے کی ہر راہ مسدود کیے وہ اس پر غرایا تھا۔

☆☆☆

''رات نانی مرحومہ کو یاد کر رہی تھیں آپ کی بہو۔'' صبح ناشتے پر زبیر با آواز بلند کہہ رہا تھا۔ رخشی پھپھو اچھلیں۔

''ہائے ہائے! اب تو مر گئی میری ماں، اب تو پیچھا چھوڑ دو تم ماں بیٹی اس کا۔''

''افوہ اماں! پہلے پوری بات تو سن لو۔ کہہ رہی تھی، دادی کی بہت یاد آ رہی ہے آج۔ ان کے ایصال ثواب کے لیے دو رکعت نفل پڑھ لوں؟'' بظاہر وہ بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔ بخت کو کن انکھیوں سے دیکھتا۔

''ہونہہ! جیتے جی میری ماں کو کون سا سکھ پہنچا ہے جواب اس کے مرنے کے بعد دو نفل پڑھ کر بخشیں گی؟''

بخت بانو لاتعلق سی خاموش چائے پیتی رہی۔ گرم گرم چائے اس کے چٹختے اعصاب کو پرسکون کر رہی تھی۔ ناشتے کے بعد سب ادھر ادھر ہوئے تو وہ اس کی طرف قدرے جھک کر بولا۔

''سنو! شب زفاف کا حال اپنی سہیلیوں کو مت سنانے بیٹھ جانا۔''

''کچھ بتانے لائق ہے اس میں؟''

وہ سلگتے لہجے میں بولی۔ زبیر نے جیسے خط اٹھایا تھا۔

''چلو بتانے لائق نہ سہی، دہرانے لائق تو ہے نا؟'' بخت کا حلق تک کڑوا ہو گیا۔ چائے کا خالی کپ وہ تپائی پر رکھتی اٹھ گئی۔

''رسی جل گئی پر بل نہیں گئے۔'' زبیر اٹھ کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

زبیر سے چھوٹی نادیہ اور ہادیہ نے اسے تیار کرنے کی غرض سے اس کا سارا میک اپ باکس کھول دیا تھا۔

''سنو! اگر تمہیں یہ سب چاہیے تو لے جاؤ۔''

بے زاری سے اس نے بیوٹی باکس کی طرف اشارہ کیا تھا۔ ہادیہ فوراً بولی۔

''لیکن ہم تو تمہیں تیار کرنے آئی ہیں۔''

''کیوں؟'' تیکھے چتونوں سے باری باری دونوں کو گھورا۔

''اماں نے کہا ہے آج سب عورتیں تمہیں ''گڈ ڈالنے'' (منہ دکھائی) کے لیے آئیں گی۔''

''مجھے یہ لیپا پوتی نہیں کروانی۔'' دونوں نے جا کر ماں کو من وعن بتایا۔ وہ بھاگی چلی آئیں۔

''اپنی ماں کی طرح ڈرامے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سمجھیں؟'' انگلی اٹھا کر وارننگ دی۔

''اگر یہ ساری چیزیں تھوپ کر آپ کو لگتا ہے لوگ سمجھیں گے کہ آپ نے اپنی بہو کو بہت خوش رکھا ہوا ہے تو میں ویسے ہی آپ کا یہ کام کر سکتی ہوں؟'' رخشندہ چیں بہ جبیں ہوئیں۔

''ہونا اسی رافیہ کی بیٹی۔''

''مت بھولا کریں میں اجلال کی بھی بیٹی ہوں۔''

''زبیر ہی آ کر دیکھے گا تمہیں ..... وہ بھنا کر کمرے سے ہی نکل گئیں۔

بخت اٹھ کر ملحقہ غسل خانے میں چلی گئی۔ نہا کر ہلکے کام والا گلابی جوڑا پہنا۔ گیلے تراشیدہ بال سلجھا کر پشت پر ڈالے، آنکھوں میں کاجل اور گلابی لپ اسٹک کی تہہ ہونٹوں پر جمائے وہ تیار ہو گئی۔

زبیر سے منہ دکھائی میں ملنے والے ''تحفے'' چھپانے کے لیے اس نے گردن تک دوپٹہ اوڑھ لیا۔ اور باہر نکل آئی۔ دراز قامت، تیکھے نقوش والی مغرور سی دلہن کو دیکھنے آئی خواتین نے دل سے اس کی خوب صورتی کو سراہا تھا۔ لیکن رخشی پھپھو کے دل میں لگی آگ پھر بھی ٹھنڈی نہ ہوئی۔

شام کو زبیر آیا تو سارا واقعہ مرچ مسالہ لگا کر اسے سنایا گیا۔ وہ خاموشی سے کھانا کھاتا رہا۔ اسی وقت بخت باہر آ گئی۔

''اب کچھ پھوٹو بھی۔'' رخشندہ نے بیٹے

www.zemtime.com

کو گھر کا۔

''اوہو اماں! اچھی بھلی تو لگ رہی ہے۔ ایسے خوامخواہ اپنا دماغ مت کھپایا کر۔''

''ایں؟'' رخشندہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

اور بخت کو لگا امی نے ایک بات تو غلط کہی تھی۔ وہ بالکل اپنی ماموں جیسا نہیں تھا۔ وہ دوسروں کی باتوں میں نہیں آتا تھا۔ وہ جو کچھ کرتا اپنے لیے، اپنے طور پر ہی کرتا تھا۔

☆☆☆

''وہ یاد تو آتا ہوگا۔ ہے نا؟'' رات کو وہ پھر ''نائل نامہ'' کھولے اسے کٹہرے میں کھڑا کرنے لگا۔ بخت بنا کوئی جواب دیے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر بال سلجھانے لگی۔

''کچھ پوچھ رہا ہوں میں؟'' وہ اٹھ کر اس کے عقب میں آ کھڑا ہوا تھا۔

''میں فضول باتوں کے لیے جواب دہ نہیں ہوں۔'' زبیر نے طیش کے مارے اس کا رخ اپنی جانب جوڑتے اس کا بازو مروڑ کر پشت پر لگا دیا۔ وہ درد سے کراہ اٹھی۔

''مجھ سے سیدھے منہ بات کیا کرو۔ ورنہ رکھ کے ایک دوں گا۔''

''میں اسی منہ کے ساتھ بات کروں گی۔ چاہے ایک رکھ کے دو یا چار۔'' وہ بے خوفی سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی تھی۔

''مجھے زبردستی سختی پر آمادہ مت کرو۔ ورنہ انجام کی ذمہ دار تم خود ہوگی۔''

''میں نرمی کی عادی نہیں ہوں۔'' وہ ڈریسنگ سے جا لگی تھی۔ آنکھیں میچے اسی وقت زبیر کے موبائل پر کال آنے لگی تو وہ اسے آنکھوں ہی آنکھوں میں متنبہ کرتا موبائل اٹھا کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''تم میکے نہیں گئیں؟'' آج بڑی نند امازیہ آئی ہوئی تھی۔ پہلے اسے سرتاپا گھورا پھر پوچھا۔

''نہیں۔'' یک لفظی جواب دیا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کینو چھیل کر کھانے لگی۔

''کیوں؟'' امازیہ نے پوچھا۔

''کیوں جاؤں؟'' وہ الٹا اسی سے پوچھنے لگی۔

''بیٹیاں میکے کیوں جاتی ہیں؟''

''یہ تو ان کو پتا ہوگا جو جاتی ہیں۔'' مالٹا ختم کر کے وہ وہاں سے اٹھ گئی۔

''یہ کیا چیز ہے؟ اماں؟ زبیر سے کہہ کر اسے سیدھا کرواؤ ورنہ تیور دیکھے ہیں اس کے؟'' رخشندہ نے بیٹی کی بات پر سر جھٹکا۔

''ہونہہ! وہ زبیر اسے کچھ کہتا تو یہ ایسے ہمارے سامنے قینچی کی طرح زبان چلا کر جاتی؟''

''تو تم اتنے سکون سے کیسے بیٹھی ہو اماں؟'' اعازیہ کو ماں سے اتنی جلدی ہتھیار ڈالنے کی امید نہیں تھی۔

''میرے بس میں ہو تو اس کو چار چوٹ کی مار پڑتا دیکھوں۔''

''سمجھو، دیکھ لی۔'' امازیہ کمینہ سا مسکرائی۔

عصر ہو رہی تھی جب بخت نے ان دونوں کو چائے بنا کر دی۔ رخشندہ نے تو اسی وقت کپ منہ سے لگا لیا۔ امازیہ نے تھوڑی دیر بعد اسے آواز لگائی۔

''چائے ٹھنڈی ہو گئی ہے ذرا اس کو گرم کر کے لانا۔''

بخت نے دیکھا، سورج ڈھلنے کی تیاری کر رہا تھا۔

''آپا! میری نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے۔ آپ خود گرم کر لیں۔'' کہہ کر وہ چلی گئی۔ اور نماز پڑھ کر واپس آنے تک باہر کا منظر تبدیل ہو چکا تھا۔ روتی دھوتی امازیہ کے قدموں میں چائے سمیت کپ کرچی کرچی ہوا پڑا تھا۔ چائے کے کچھ چھینٹے امازیہ اور رخشندہ کے پائنچوں اور پاؤں پر بھی پڑے تھے۔

''پوچھو اس سے، کتنی بدتمیزی کر کے گئی ہے یہ ہمارے ساتھ؟''

زبیر اس کے عین سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔ ''آپا نے تمہیں چائے گرم کر کے لانے کو کہا تو تم نے.....''

www.zemtime.com

''میں نے صرف اتنا کہا.....'' وہ بولنے لگی تھی کہ اس نے ہاتھ اٹھا کر روک دیا۔

''میں نے پوچھا، تم نے آپا کو چائے گرم کر کے دینے سے انکار کیا تھا یا نہیں؟''

''کیا تھا.....''

ابھی اس کی بات پوری نہیں ہوئی تھی کہ زبیر کے زوردار تھپڑ نے اسے لڑکھڑا کر پیچھے دیوار کا سہارا لینے پر مجبور کر دیا تھا۔

''آئے ہائے زبیر مت مارا سے۔ بس آئندہ میں ہی یہاں نہیں آؤں گی۔ ویسے بھی بھابھیوں کے آتے ہی بیٹیوں کے لیے میکے کی زمین تنگ پڑ جاتی ہے۔'' رقت آمیز لہجے میں بولتی وہ آگے لپکی تھیں بخت اپنے دہکتے ہوئے گال پہ ہاتھ رکھے سن سی کھڑی تھی۔

وہ بند کمرے میں اس کے جسم کو گھائل کرتا وہ برداشت کر جاتی، آج تو اس نے سب کے سامنے اس کی روح کو زخمی کیا تھا۔ وہ ان سب کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔ قدم اٹھائے اور اپنے کمرے کی طرف بھاگ گئی۔

☆☆☆

عصر کی نماز کے بعد وہ دیر تک یونہی خالی الذہنی کی کیفیت میں مصلے پر بیٹھی رہیں۔ گھر کی خاموش فضا میں اس وقت صرف کبوتروں کی غٹرغوں گونج رہی تھی۔

یہ بخت کا شوق تھا۔ اس نے چھت پر کبوتر رکھے ہوئے تھے۔ کالج سے واپس آنے کے بعد چھت پر انہیں باجرہ ڈالتی۔ پانی کی کنالیاں بھر کر رکھتی۔ رخصتی سے پہلے اس نے ڈربے کا بند دروازہ کھول کر انہیں آزاد کر دیا تھا۔ لیکن اسی شام کبوتر واپس اسی چھت کی منڈیر پر آ کر بیٹھ گئے تھے۔ اب رافیہ چھت پر باجرہ پھیلا آتیں، صبح شام پانی کی کنالیاں بھر کر رکھتیں۔ کبوتر دانہ چگتے، پانی پیتے، اڑ کر واپس اسی منڈیر پر آ بیٹھتے۔

''ایسے کیوں بیٹھی ہو؟ بہت یاد آ رہی ہے تو جا کر مل آؤ اس سے۔''

اجلال کافی دیر سے انہیں کسی ادھیڑ بن میں مبتلا دیکھ رہے تھے۔ وہ چونکیں پھر گہری سانس بھرتے نفی میں سر ہلا کر مصلیٰ اٹھانے لگیں۔

''آتی کیوں نہیں وہ یہاں؟'' وہ پوچھنا نہیں چاہ رہے تھے لیکن بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا تھا۔

رافیہ نے ان کا چہرہ دیکھا۔ وہ آج بھی اتنے ہی وجیہہ تھے۔ جسم پہلے کی نسبت بھر گیا تھا۔ کنپٹیوں کے سفید بالوں نے شخصیت کو مزید جاذبیت بخش دی تھی۔

''معلوم نہیں۔'' وہ آج بھی اتنی ہی کم گو تھیں۔

''فون کر لیا کرو۔'' آج اجلال کی شاید طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ رافیہ نے سوچا۔

''وہ میرا فون نہیں اٹھاتی۔'' کہہ کر کچن کی طرف چلی گئیں۔

''میں آپ کے لیے چائے لاتی ہوں۔''

☆☆☆

''درد ہو رہا ہے؟'' اس کے دائیں گال پر ثبت اپنی انگلیوں کے نشان پر ہاتھ پھیرتا وہ سہلا رہا تھا۔

''زخم دینے والے ہاتھ مرہم لگاتے اچھے نہیں لگتے۔'' اس نے سینے میں اٹکی سانس بہت وقت سے خارج کی تھی۔

''تم کیوں کرتی ہو مجھے غصہ دلانے والی حرکتیں؟'' وہ چپ رہی۔

''ایسی زبان چلاتی ہو کہ میں خود پر قابو نہیں رکھ پاتا، ورنہ تم تو چوم چوم کے رکھے جانے کے لیے بنی ہو۔'' اس کی قربت میں پگھلتا وہ مدہوش ہو رہا تھا۔ بخت نے سسکی دبائی۔ آج جسم کے ساتھ اس کی روح بھی تو زخمی ہوئی تھی۔

☆☆☆

وہ چھت پر تھیں جب مسلسل دروازہ بجنے کی آواز آئی۔

''کیا بخت آئی ہے؟'' یہ سوچ کر انہوں نے

www.zemtime.com

جیسے بھاگتے قدموں کے ساتھ سیڑھیاں عبور کی تھیں۔ جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولا۔ سامنے کنزیٰ کھڑی تھی۔ اپنی دو سالہ بیٹی کو اٹھائے۔

"اندر آنے کو نہیں کہو گی بھابھی؟"

انہوں نے راستہ چھوڑ دیا۔ کنزیٰ نے بیٹی کو صحن میں چھوڑ دیا۔ وہ کبوتروں کو دیکھ کر خوش ہونے لگی۔

"گھر میں بہت خاموشی ہے۔ کیا بخت یہاں نہیں آتی؟"

انہوں نے گہری سانس بھری۔

"اس کا دل نہیں چاہتا اب یہاں آنے کے لیے۔" کنزیٰ کب کچلنے لگی۔

رافیہ اٹھنے لگیں تو اس نے جلدی سے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ استفہامیہ نگاہوں سے اسے دیکھے گئیں۔

"مجھے معاف کر دیں۔" وہ سسکی۔

"میں نے اس دن جھوٹ بولا تھا۔ خود قصور وار ہوتے سارا الزام آپ پر لگا دیا۔ سب نے آپ کو برا بھلا کہا۔ بھائی نے آپ پر ہاتھ اٹھایا۔ آپ کا بچہ..... آپ کی پہلی خوشی دنیا میں آنے سے پہلے ہی منہ موڑ کر چلی گئی میری وجہ سے....." کنزیٰ رونے لگی۔

"جب بلال مجھے دھوکا دے کر بھاگ گیا تو مجھے لگا، آپ سب کو سچ بتا دیں گی۔ میرا اور بلال کا سارا کچا چٹھا کھول دیں گی۔ لیکن آپ چپ رہیں۔ آپ نے میرا پردہ رکھا۔ میں کم ظرف آج خود ایک بیٹی کی ماں بنی تو سمجھ میں آیا جو چنگاریاں اپنے پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ وہ دہکتے انگارے بن کر میری گڑیا کے پاؤں نہ جلا دیں۔ میرے دل پر بہت بوجھ ہے بھابھی! مجھے معاف کر دیں....."

دروازے کے پاس کھڑے اجلال کی پیروں تلے زمین نکل گئی تھی۔ انہوں نے بے ساختہ دیوار کا سہارا لیا۔

"روؤ مت کنزیٰ! تمہاری بیٹی پریشان ہو رہی ہے۔ ماؤں کو روتا دیکھ کر بیٹیاں دکھی ہو جاتی ہیں۔" انہیں کنزیٰ کی بیٹی میں دروازے کی اوٹ سے نم آنکھیں لیے جھانکتی اپنی بخت دکھائی دی تھی۔

"بھول جاؤ وہ سب کچھ۔ میں نے تمہیں معاف کیا..... اور اپنے بھائی سے کچھ مت کہنا۔ بھائیوں کو کبھی بہت مان ہوتا ہے اپنی بہنوں پر۔ یہ مان سلامت رہے۔" کنزیٰ اور شدت سے رو دی۔

"میں کھانے کے لیے کچھ لاتی ہوں۔" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

☆☆☆

"اتنی خفا ہو گئی ہو کہ اب ماں کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتیں؟"

موبائل کی مسلسل بجتی رنگ پہ اس نے بالآخر کال ریسیو کر لی۔ اس کے ہیلو کہنے سے قبل ہی انہوں نے اتنی آزردگی سے پوچھا کہ وہ لمحہ بھر کے لیے چپ سی رہ گئی۔ پھر قدرے توقف کے بعد بولی۔

"اپنی شکل نہیں دکھانا چاہتی انہیں....."

"وہ تمہارا پوچھ رہے تھے۔"

وہ ہنسی۔ "آپ کو جھوٹ بولنا نہیں آتا امی۔"

"ہاں، لیکن میں جھوٹ نہیں بول رہی۔"

"پھر آپ کو شاید کوئی شدید قسم کی غلط فہمی بلکہ خوش فہمی ہوئی ہو گی۔"

"ایسا نہیں ہے۔ بخت! وہ اب پہلے جیسے نہیں رہے۔ بہت بدلتے جا رہے ہیں۔" رافیہ اسے لفظوں میں بتا نہیں پا رہی تھیں۔ کچھ تھا ایسا جس نے اجلال کا برسوں پرانا خول چٹخا دیا تھا۔

وہ ہنسی۔ "آپ تنہائی کا شکار ہو رہی ہیں شاید اس لیے الوژن....."

بات کرتے کرتے وہ اپنے کمرے سے باہر نکلی۔ اسی وقت بیرونی دروازے سے اندر آتے زبیر نے اسے فون پہ بات کرتے دیکھ لیا تھا۔ آج اتفاقاً وہ بے وقت گھر آ گیا تھا۔ وہ چیل کی طرح اس پر جھپٹا۔

"کس سے بات کر رہی تھیں، ہاں؟" درشتی سے موبائل اس کے ہاتھ سے کھینچتا وہ غرایا۔

"اپنے اسی عاشق سے ناں؟" بخت کے اندر جوار بھاٹا پکنے لگا۔

www.zemtime.com

''مجھ سے غلط بات مت کرو زبیر۔''

''ایک تو چوری، اوپر سے سینہ زوری۔''

اس خاندان کے مردوں کے غصے کی انتہا تھی کہ وہ پیروں کا جوتا اتار کر منہ پر دے مارتے۔ وہ درد سے بلبلا اٹھی تھی۔

''زبیر!'' اجلال کی زوردار دھاڑ پر اس نے مڑ کر دروازے کی جانب دیکھا تھا۔ غیض و غضب سے سرخ پڑتا چہرہ اور آنکھوں میں بے یقینی لیے وہ اسے بخت کو پیٹتا دیکھ چکے تھے۔

''ہوش میں تو ہو تم؟ تمہاری جرات کیسے ہوئی اس پر ہاتھ اٹھانے کی؟ لمبے لمبے ڈگ بھرتے آگے بڑھ کر زبیر کا ہاتھ پکڑ کر زور سے جھٹکا تھا۔ بخت کا نچلا ہونٹ پھٹ گیا تھا۔''

''یہ ہم میاں بیوی کا آپس کا معاملہ ہے۔ بہتر ہوگا آپ ہمارے گھر کے معاملات سے دور ہی رہیں۔'' زبیر گو ان کی بے وقت کی مداخلت کھلی تھی۔

''مت بھولو یہ تمہاری بیوی بننے سے پہلے میری بیٹی ہے اور آپا تم؟'' وہ رخشندہ کی طرف مڑے۔

''مجھے تو تم پر حیرت ہو رہی ہے۔ تمہاری آنکھوں کے سامنے یہ سب کچھ ہو رہا ہے اور تم خاموش بیٹھی تماشا دیکھ رہی ہو؟''

رخشندہ ابھی اس جھٹکے سے باہر نہیں نکلی تھیں کہ جس بیٹی کو انہوں نے زندگی بھر منہ نہیں لگایا تھا اب کیسے اس کے لیے اتنا درد امڈ رہا ہے؟

''آپ کی بیٹی تھی، اب یہ میری بیوی ہے۔ اور پوچھیں اس سے، میرے نکاح میں ہو کر یہ چھپ چھپ کر اپنے اس ناکام عاشق سے باتیں کر رہی تھی؟''

اجلال کی آنکھوں میں لہو اتر آیا تھا۔

''میرا کسی سے کوئی رابطہ، کوئی تعلق نہیں..... کال پہ امی تھیں، آپ موبائل چیک کر کے دیکھ لیں۔'' بھرائی ہوئی آواز میں وہ بمشکل بول پائی تھی۔

اجلال نے ضبط سے اپنی مٹھیاں بھینچ لیں۔

تم اس پر جھوٹا الزام نہیں لگا سکتے۔ اگر اس نے اس کے ساتھ رابطہ رکھنا ہوتا تو تم سے کبھی شادی نہ کرتی۔ فیصلے کا اختیار میں نے اس کے ہاتھ پر رکھا تھا اور جانتے ہو، اس نے تمہارا انتخاب کیا اس لڑکے کو چھوڑ کر۔''

زبیر چپ رہ گیا۔

''بہت کر لی تم نے اپنی من مانی۔ لیکن اب اور نہیں لے کے جا رہا ہوں میں اس کو اپنے ساتھ.....''

وہ بخت کی طرف مڑے جو اپنی انگلی کی پور سے ہونٹ سے ٹپکتے خون کے قطرے جھٹک رہی تھی۔ ایک لمحے کو انہیں لگا وہ بخت نہیں بلکہ رافیہ تھی۔ زخموں سے چور، وحشت زدہ بھری ہوئی آنکھیں لیے، نڈھال سی۔

''چلو بخت! میرے ساتھ چلو۔'' انہوں نے آگے بڑھ کر اس کا بازو تھاما۔ وہ بازو چھڑاتی بدک کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی۔

''میں آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔'' شدت سے نفی میں سر ہلاتی وہ بول رہی تھی۔

''آپ کو اتنی حیرت کیوں ہو رہی ہے؟ آپ کے لیے تو یہ سب کچھ نیا نہیں ہے۔ آپ بھی تو زندگی بھر یہی کرتے رہے کسی کی بیٹی کے ساتھ۔ آج اپنی بیٹی کے ساتھ ہو رہا ہے تو آپ کا حیران ہونا نہیں بنتا ابو! اکثر بیٹیاں ماؤں کا نصیب لے کر اس دنیا میں آتی ہیں۔ ماں کی سزائیں ان کی حصہ دار بن کر۔''

اجلال کا وجود آندھیوں کی زد میں آ گیا تھا۔ آنکھوں میں ریت سی چبھنے لگی۔

''مجھے اپنے حصے کی سزا کاٹنے دیں اور چلے جائیں یہاں سے.....'' منہ پر ہاتھ رکھے سسکیاں دباتی وہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں بند ہو گئی تھی۔

☆☆☆

''یہ ہماری آنکھوں کی بینائی، ہمارے جگر کا ٹکڑا ہے۔ اس کے ساتھ ایسا سلوک مت کرو کہ ہم قبر میں بھی سکون سے نہ سو سکیں۔''

منت کرتی ضعیف آواز ان کے قدموں سے لپٹ گئی تھی۔ وہ پاؤں جھٹک کر آگے بڑھ جانا چاہتے

www.zemtime.com

تھے کہ قدم زنجیر ہو گئے۔

''آخر قصور کیا ہے میری بیٹی کا؟ کیا جرم کیا ہے اس نے؟'' ڈھے جانے کو وجود جھٹکوں کی زد میں تھا۔

''بیٹی ہے یہ میری.....''

''اور اب میری بیوی ہے۔ بیوی پر سب سے پہلا اور آخری حق اس کے شوہر کا ہی ہوتا ہے۔''

جھریوں زدہ چہرے سے پھسلتے ملگجے آنسوؤں نے ان کا راستہ روک دیا تھا۔ آگے صرف پانی ہی پانی تھا۔ وہ قدم آگے بڑھاتے بھی تو کیسے؟

پسینے میں شرابور ایک جھٹکے سے وہ اٹھ بیٹھے تھے۔ سانس دھونکنی کی مانند چل رہا تھا۔ رافیہ فوراً اٹھ کر ان کے پاس آئی تھیں۔ وہ خالی خالی نگاہوں سے انہیں دیکھے گئے۔ رافیہ اور بخت کا چہرہ آپس میں گڈمڈ ہو رہا تھا۔ دونوں کے آنسو ایک جیسے تھے۔

''عجیب بات ہے دکھائی صرف آج ہی کیوں دیے؟'' وہ بڑبڑائے۔

''آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟'' رافیہ نے پریشانی سے ان کا چہرہ دیکھا۔

انہوں نے گہری سانس اپنے اندر اتاری۔

''ایک طبیعت ہی تو ٹھیک رہی ہے۔ باقی سب غلط رہا تربیت، نیت، کردار، اخلاق سب غلط..... تم نے بھی تو درست کرنے کی کوشش نہیں کی؟

دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں سے اپنے بال نوچتے انہوں نے سر میں اٹھتی درد کی ٹیسوں کو دبانے کی کوشش کی تھی۔

رافیہ نے زخمی آنکھیں اٹھائیں۔ ''پہلے ہی دن زبان کاٹ دی، پر کاٹ دیے۔ نہ بول سکی نہ پھڑ پھڑا سکی.....'' پہلی بار ان کی زبان سے شکوہ پھسلا بھی تو کس وقت؟ اجلال خود اذیتی سے ہنس دیے۔

''کیا اس روز انہیں بھی اتنی ہی تکلیف ہوئی ہوگی تمہیں یوں دیکھ کر جتنی آج مجھے ہوئی ہے بخت کو دیکھ کر؟''

رافیہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگی تھیں۔ ابا کی آنکھوں میں بجھتی امید کی لو انہوں نے خود دیکھی تھی۔

''اولاد کو دکھ میں دیکھنے سے بڑھ کر بھی کوئی آزمائش ہوتی ہے ماں باپ کے لیے؟''

''آزمائش بھی کسی کسی کے حصے میں آتی ہوگی ورنہ ہم جیسوں کے حصے میں تو صرف سزا ہی آتی ہے۔''

کبھی نہ جھکنے والے اجلال کو آج اولاد کے دکھ نے توڑ ڈالا تھا۔

☆☆☆

زبیر اس وقت گھر سے باہر نکل گیا تھا۔

امازیہ کا فون آیا تو ہادیہ نے اسے سارا واقعہ کہہ سنایا۔ اسے کھد بد لگی تو اسی وقت برقع پہن کر چلی آئی۔ ایک گلی چھوڑ کر ہی اس کا گھر تھا۔

''اتنا کچھ ہو گیا اور مجھے کسی نے بتایا تک نہیں۔''

''بتا تو دیا، اب کیا مسجد میں اعلان کرواتی؟'' رخشندہ نے بیٹی کو گھرکا۔

''ویسے اب کہاں ہے نواب زادی؟ پہلے ہی پیروں پر پانی نہیں پڑنے دیتی تھی اب تو باپ کی شہ مل گئی ہے۔''

''اندر بند ہے کمرے میں، اے نادیہ ذرا جا کر دیکھ تو سہی، کہیں مر مرا تو نہیں گئی؟''

''میں نہیں جا رہی۔ ہادیہ سے کہو۔'' نادیہ نے فوراً انکار کیا تھا۔

''مردم بختو! میں خود ہی جا کر دیکھتی ہوں۔'' ہاتھ سے دونوں کے منہ پر لعنت کا اشارہ کرتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔

بیڈ کے وسط میں وہ بے سدھ اوندھی پڑی ہوئی تھی۔ رخشندہ نے کندھوں سے پکڑ کر اسے سیدھا کیا امازیہ کو آوازیں دیں۔ وہ بھاگتی آئی۔

''او ہو اماں! یہ تو بے ہوش ہے۔ ڈاکٹر کے ہاں لے چلتے ہیں۔''

''پاگل ہوئی ہے کیا؟ ایسی حالت میں تو ڈاکٹر ہمیں دھر لے گا۔ الٹا پولیس کو فون کر کے تشدد کے

www.zemtime.com

الزام میں اندر کروادے گا۔'' رخشندہ نے بیٹی کو ڈپٹا۔
''تو اب؟''
''محلے کی ڈاکٹرنی آسیہ کے پاس چلتے ہیں۔''
''اماں! وہ ڈاکٹرنی نہیں ہے۔ محلے کی ایل ایچ وی ہے۔''
''اے تھوڑی بہت ڈاکٹری تو اسے بھی پتا ہوگی۔ کیا پتا مرہم پٹی ہی کردے۔ مٹھی میں نوٹ دوں گی تو بات اپنے تک ہی رکھے گی۔ چل تو جلدی کر۔ باہر سے رکشہ پکڑ.....'' رخشندہ نے بھاگ دوڑ مچا دی۔
محلے کی ڈاکٹرنی نے نوٹ لے کر مٹھی بند کرلی۔ مرہم پٹی بھی کردی۔ لیکن زبان بند نہ رکھ سکی۔
''لگتا ہے، خوب رج کے کٹ لگائی ہے بے چاری کی۔ اوپر سے ایسی حالت.....''
''کیسی حالت؟''
''اوہو خالہ! ویسے تو بڑی سیانی بنتی ہو اتنا پتا نہیں ہے بہو امید سے ہے۔ تیسرا مہینہ لگا ہے.....''
رخشندہ اور امازیہ نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا تھا۔
''پھر بچہ ٹھیک ہے؟'' امازیہ نے پوچھا۔ پھر قدرے گڑبڑائی۔
''میرا مطلب ہے، بچہ تو ٹھیک ہے نا؟''
''ہاں جی! بڑا کرم ہوا بچہ ٹھیک ہے۔ بس اب احتیاط کرنا۔ پہلے ہی بہت کمزور ہے۔'' ڈاکٹرنی کی بات پر محض ہنکارا بھرا گیا۔

☆☆☆

شام ڈھلے اس کی گھر واپسی ہوئی تھی۔ گھر میں ہو کا عالم تھا۔
''کہاں گئے ہیں سب؟'' واش بیسن کے سامنے کھڑے ہو کر منہ پر پانی کے چھپاکے مارتا وہ پوچھ رہا تھا۔ صحن میں چارپائی پر بیٹھی ہادیہ نے اس کی طرف گردن موڑ کر دیکھا۔
''بھابھی کو ڈاکٹر کے ہاں لے گئے ہیں۔ بے ہوش پڑی تھیں اندر کمرے میں.....'' تولیے سے منہ پونچھتا وہ ٹھٹکا۔ ''کب گئے؟''
''کافی دیر ہوگئی ہے اب تو شاید آنے والی ہوں۔''
بازو پیچھے باندھے وہ یونہی بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ ''کون سے ڈاکٹر کے پاس لے گئے ہیں؟''
''یہ تو نہیں پتا.....'' ہادیہ نے کندھے اچکائے۔
''پوچھ لینا تھا نا.....'' وہ خوامخواہ ہادیہ پر بگڑا تو وہ خائف سی ہوتی وہاں سے اٹھ کر کچن میں نادیہ کے پاس چلی گئی۔
تاریکی ہر سو پھیل رہی تھی۔ جب رکشے کی پھٹ پھٹ عین دروازے پر آ کر رکی۔ وہ تیزی سے باہر نکلا۔ سر تا پا چادر اوڑھے بخت رکشہ رکتے ہی اتر کر اندر چلی گئی۔ اس کے پیچھے رخشندہ اور امازیہ بھی۔ زبیر رکشے والے کو کرایہ دے کر اندر آیا۔ اضطراری انداز میں چلتا چارپائی پر بیٹھی ماں اور بہن کی طرف چلا آیا۔ استفہامیہ نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگا۔
''اب بول بھی چکو کچھ۔'' دونوں کی خاموشی اسے کھلی تھی۔
''امید سے ہے تیری بیوی۔'' اس نے جھٹکا کھا کر ماں کو دیکھا تھا۔

☆☆☆

وہ اندر کمرے میں آیا تو وہ بیڈ کے کنارے آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی تھی۔
''تمہیں مجھے بتانا چاہیے تھا۔'' اس کے قریب بیٹھا وہ کہہ رہا تھا۔
''میرا حق تھا۔'' وہ نجانے کس حق کی بات کر رہا تھا۔ بخت یونہی ساکت سی لیٹی رہی۔
''اچھا سنو تو.....'' زبیر نے قدرے آگے کو ہو کر اس کی آنکھوں سے ہاتھ ہٹایا، بخت نے درشتی سے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا اور ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھی۔
''مجھے ہاتھ مت لگانا اب۔ ورنہ میں اپنی جان لے لوں گی۔''
''تمہاری جان کے ساتھ ایک اور جان جڑی

www.zemtime.com

ہوئی ہے۔ اسے نقصان پہنچانے کا سوچنا بھی مت۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"ہونہہ! اپنی اولاد کے لیے اتنی تڑپ؟" وہ زہر خندسی اٹھ کر باہر جانے لگی۔

"اب کہاں جارہی ہو؟" زبیر جھنجھلایا۔

"جہنم میں۔" کہتی وہ باہر نکل گئی۔ زبیر مٹھی میز پر مار کر رہ گیا۔ بخت نے کھلی فضا میں آ کر گہرے سانس لیے۔ جسم میں اب بھی درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

"امی!" اسے ماں شدت سے یاد آئی تھی۔ انہیں یاد کرتے کوئی اور بھی یاد آ گیا۔

ان کی تحیر زدہ آنکھیں، ان کا غصہ اور ان کی بے بسی۔ ان کا شکستہ قدموں سے لوٹ جانا۔ اولاد اور ماں باپ کا تعلق روز اول سے ہی گوشت سے جڑے ناخن کی طرح ہوتا ہے۔ انہیں ایک دوسرے سے الگ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ اس نے آج تک اپنی ماں کا تڑپنا دیکھا تھا۔ پہلی بار اپنے باپ کو تڑپتے ہوئے دیکھا۔ اور اب یہ زبیر.....

اس کے خیال کی رو پلٹی تھی۔ دھیان اپنی کوکھ میں پلتے وجود کی طرف چلا گیا۔ ٹمٹماتے ستاروں کے جھرمٹ تلے کھڑے ہو کر اس نے اس وقت کچھ اور بھی سوچا تھا۔ بہت ان چاہا سا۔

☆☆☆

ایسی باتیں چھپائے نہیں چھپتیں۔ اور پھر محلے کی ڈاکٹرنی سے تو سب ہی کی واقفیت تھی۔ اڑتے اڑتے خبر رافیہ تک بھی پہنچ گئی۔

"وہ ماں بننے والی ہے۔" انہوں نے بے چینی سے نچلا لب کچلا تھا۔ کسی طور قرار نہیں مل رہا تھا۔ زمین پر جیسے کانٹے سے اگ آئے تھے۔ پاؤں پڑتے ہی نہیں تھے۔ وہ بولائی بولائی سی پورے گھر میں چکرائی پھرتیں۔

"اس حالت میں عورت کو سب سے زیادہ ضرورت اس کی ماں کی ہوتی ہے۔"

"تم مل آؤ اس سے۔" اجلال سے ان کی بے چینی دیکھی نہیں گئی۔

"آپ نہیں چلیں گے؟"

"اس نے کہا تھا، دوبارہ یہاں مت آئیے گا۔ میں آپ سے نہیں ملوں گی۔" وہ رنجیدگی سے کہتے چپ ہو گئے۔ رافیہ نے چادر اتار کر رکھ دی۔

اجلال سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگے۔

"اسے فیصلہ کرنے دیں۔"

☆☆☆

"کب تک یونہی پڑی بستر توڑتی رہو گی؟ اٹھ کر گھر کا کام دھندا دیکھو۔ ہادیہ، نادیہ کی شادی سر پر کھڑی ہے۔ مجھ سے نہیں ہوتا اکیلے یہ سب۔"

رخشندہ سے اس کا دو دن سے زیادہ بستر پر لیٹنا گوارا نہیں ہوا تو خبر لینے کمرے میں چلی آئیں۔

"دنیا جہاں کی عورتیں بچہ پیدا کرتی ہیں۔ تم کوئی دنیا سے انوکھا تیر نہیں مار لو گی۔"

"مجھے ایسی کوئی خواہش بھی نہیں ہے۔"

"اسی زبان کی وجہ سے ہی تو زبیر سے مار کھاتی ہو۔"

وہ کہنے سے باز نہ آئیں۔ بخت نے لب بھینچ لیے۔ ان کے جانے کے بعد وہ اٹھ کر کچن میں آ گئی۔ پانی کا گلاس بھر کر پڑیا کھول کر اس میں انڈیلی، اپنے تئیں پاؤں کی مدد سے اس نے کچن کا دروازہ دھکیل دیا تھا لیکن سبز جالی کی کھلی کھڑکی سے اندر کے منظر نے زبیر کے قدموں تلے سے جان نکال دی تھی۔ اسے محض لمحہ ہی لگا تھا بھانپنے میں، تیر کی طرح سیدھا اس کے سر پر پہنچا تھا۔ وہ گلاس لبوں سے لگانے کو تھی جب زبیر نے ہاتھ بڑھا کر گرا دیا۔ شیشے کا گلاس فرش پر گر کر چکنا چور ہو گیا۔

"کیا کر رہی تھیں تم؟"

"مجھے یہ بچہ نہیں چاہیے۔" وہ حلق کے بل چلائی۔

زبیر کا اٹھا ہاتھ ہوا میں ہی معلق رہ گیا۔

"رک کیوں گئے؟ ہاتھ اٹھانا تو صرف پہلی بار ہی مشکل ہوتا ہے نا؟"

www.zemtime.com

اس نے بے بسی سے اپنا ہاتھ پہلو میں گرایا۔
''تم ہمارے بچے کو اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی ختم کرنا چاہ رہی تھیں ..... وہ ابھی تک بے یقین تھا۔
''مجھے ایک اور زبیر اس دنیا میں لانے کا سبب نہیں بننا۔'' رخشندہ شور کی آواز سن کر دوڑی چلی آئی تھیں۔ ان کے پیچھے امازیہ، ہادیہ اور نادیہ بھی۔
''تم لکھوا کر آئی ہو کہ بیٹا ہی ہوگا؟'' رخشندہ فوراً ساری صورت حال سمجھ گئیں۔
''اگر بیٹی ہوئی تو؟''
''ایک اور رافیہ، ایک اور بخت؟ نہیں..... مجھے اپنی بیٹی کو اس سزا کا حصہ دار نہیں بنانا جس کا سلسلہ نسلوں سے ہمارے ہاں چلا آرہا ہے۔'' ہاتھ کی پشت سے بہتے آنسو صاف کرتی وہ قطعیت سے بولی تھی۔ زبیر ہلنے کے قابل بھی نہیں رہا تھا۔

☆☆☆

''عورت کو خوب صورت بنایا گیا تاکہ مرد اس سے محبت کرے اور بے وقوف اس لیے کہ وہ بھی مرد سے محبت کر سکے۔''
ایک کمزور لمحے کی گرفت میں اس نے کہا تھا
''عورت کتنی ہی حسین کیوں نہ ہو اگر اس میں ناز و ادا اور دل ربائی نہیں تو وہ مرد کی نگاہ میں اپنی ساری دلکشی اور رعنائی کھو دیتی ہے۔'' جواباً اس نے کہا تھا۔
''عورت ناز و ادا بھی اسی مرد پر لٹاتی ہے جو اسے محبت دے، عزت، تحفظ اور مان دے۔'' اپنے مردانہ زعم، انا اور حاکمیت پسندی میں اس قدر نہ گر جائے کہ عورت اپنی سب سے محبوب ہستی قربان کرنے پر تیار ہو جائے۔ اپنی اولاد.....
''ماں بننا تو ہر عورت کے لیے سب سے بڑا اعزاز ہوتا ہے۔ اس کی ذات کی تکمیل۔ اس کے وجود کا حصہ۔ اس نے کیسے اسے خود سے جدا کرنے کا فیصلہ کر لیا؟''
آج اس پر کئی در وا ہوئے تھے۔ آج وہ خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہا تھا۔ بیڈ کے کنارے ٹانگیں لٹکائے بے حس سی بیٹھی بخت کے قدموں میں بیٹھا وہ سوچ رہا تھا۔ پشیمانی کے اظہار کے لیے صرف ماتھے سے پھوٹے عرق ندامت کے قطرے ہی کافی نہیں ہوتے۔ پیروں تلے زمین کھینچ لینے والوں کو پیروں میں بیٹھ ہی جانا چاہیے۔ اس کے زخم آج اسے نظر آئے تھے۔ اس کے درد سے وہ آج واقف ہوا تھا۔
عورت مرد کی نگاہ پہچانتی ہے۔ یہ ایک مرد کی نگاہ نہیں تھی۔ ایک شوہر کی نگاہ بھی نہیں تھی۔ یہ احساس کی نگاہ تھی۔ بخت کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے۔
''میں نے کبھی اس کے بارے میں نہیں سوچا۔ اس کی محبت، اس کے جذبات یک طرفہ تھے۔ میں نے کبھی اس کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ ہمیشہ اپنے والدین کی عزت کا پاس رکھا.....''
''مجھے میری نظروں میں اور مت گراؤ بخت! پلیز.....'' اس کے ہاتھ تھامے وہ جیسے گڑگڑایا تھا۔ لیکن وہ بولتی رہی۔
''تم سے نکاح کے بعد میں صرف تمہاری ہو کر رہی۔ ان زخموں کے باوجود دل نے تمہیں کہیں اور جانے ہی نہیں دیا۔''
آج وہ اعتراف کے لمحے سے گزری تھی۔ اور زبیر کو اندر تک شانت کر گئی۔
''ممانی کی طبیعت خراب ہے۔ تمہیں ان سے ملنے جانا چاہیے۔'' پرانی، بوسیدہ عمارت گرا کر وہ نئی بنیاد کی پہلی اینٹ رکھ رہا تھا۔
''صرف مجھے؟'' اس نے انگلی سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کرتے پوچھا۔
زبیر ہنس پڑا۔ ''میں بھی ساتھ چلوں گا۔ ان سے معافی بھی تو مانگنی ہے۔'' باہر ایک نئی صبح طلوع ہو رہی تھی۔ روشن اور اجلی صبح۔

www.zemtime.com